

ڈاکٹر ارشد محمود آصف (ارشد معراج)

اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

تدریس افسانہ۔۔۔ مختلف جہات

In the process of teaching of Urdu Literature there is no scientific method to teach the students. Mostly teachers adopt their own simple learning way. In this way the creativity not appears in students. They only pass the examination and solve the paper. They have not the sensibility to read the literature. In this Article writer described the Western Scientific Method of creative reading of literature for students and also applied it to teach the Urdu Short stories. Writer also analyzed the Urdu method of teaching of Genre short stories. This article leads how to teach Urdu short stories in Secondary, Higher Secondary, BS and MA level. The author of this article also elaborates his suggestions and recommendations for teaching of Urdu short stories at MS / PHD levels. The technics and frame works suggested by author could be used in the process of education of Urdu short story distinctively, and the teaching of fiction as a whole.

Key Word: scientific, western, Genre, distinctively, fiction

افسانہ ہر زبان کے ادب کی اہم صنفِ سخن ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز سے اُردو ادب میں افسانہ رونما ہوا اور اُردو ادب کا دامن اس صنفِ سخن سے بھر گیا۔ میرے خیال میں اُردو افسانے کو دنیا کے کسی بھی زبان کے افسانے کے مقابل رکھا جاسکتا ہے۔ زبان و ادب کی تعلیم میں اُردو افسانے کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ اس لیے افسانے کی تدریس ایک اہم مسئلہ ہے جس پر خاص توجہ نہیں دی گئی۔ ڈاکٹر کیو مرثی شعبہ اُردو، تہران یونیورسٹی نے ۷۸ء میں ”تدریس ادب۔۔۔ نیا تناظر“ کے نام سے منعقدہ شعبہ اُردو نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد میں جو مقالہ پیش کیا اس کے چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

- ۱۔ جامعاتی سطح پر تدریسی افسانہ، نئے تناظر اور نئے تقاضوں کے پیش نظر معلم یا مدرس کی تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی شعور و احساس اور ساتھ ساتھ موثر طریقہ تدریس، وسیع مشاہدہ مطالعہ اور تجربات تدریس حد سے ضروری واہم نکات ہیں۔
- ۲۔ فاضل مقالہ نگار نے اردو ادب کی تحریکوں کے حوالے سے افسانے کی تدریس پر زور دیا، اس سلسلہ میں ترقی پسند تحریک کے افسانے کو سراہا، اور ہر عہد کے افسانے کو اپنے عہد کا ترجمان قرار دیا ہے۔
- ۳۔ معلم کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلبہ کی حوصلہ افزائی کرے۔ ذہنی و فکری، تخلیقی و تنقیدی صلاحیتوں اور شعور کو اجاگر کرے۔
- ۴۔ مختلف جامعات میں بی اے، ایم اے اور پی ایچ ڈی کی سطح کے نصاب میں دوسری زبانوں کے نمائندہ افسانوں کا اردو کے نمائندہ افسانوں سے تقابلی مطالعہ کو اہم قرار دیا۔
- ۵۔ طلبہ و طالبات کو داستانوں، ناول اور افسانوں کے اصل متن سے روشناس کرایا جائے تاکہ ان میں اعلیٰ اخلاقی اور اصلاحی اقدار پیدا ہوں۔
- ۶۔ معلم کا تجرباتی آہنگ تدریس کے فن کی جمالیات کے ساتھ وابستہ ہوتا کہ اس میں تخلیقی رنگ آشکار ہو سکے۔
- ۷۔ مشہور اور نامور شخصیات کے اہم افسانے بطور ایک لازمی مضمون کتابی شکل میں مرتب کر کے شامل نصاب کیے جائیں۔
- ۸۔ اس موضوع پر ورکشاپ کرائی جائیں اور ماہر تدریس و بزرگ اساتذہ سے استفادہ کیا جائے۔
- ۹۔ تدریس افسانہ نیا تناظر کے سلسلے میں ایک زبردست تحریک چلائی جائے۔
- ۱۰۔ جامعاتی سطح پر پاکستان کی علاقائی زبانوں کے افسانوں کو تدریسی پروگرام میں شامل کیا جائے جو بی اے، ایم اے اور پی ایچ ڈی کی سطح کے کورسز پر مشتمل ہوں۔
- ۱۱۔ دیگر علاقائی و بین الاقوامی زبانوں کے منتخب افسانوں کو اردو میں ترجمہ کر کے پرائمری، ثانوی، اعلیٰ ثانوی نصاب میں شامل کرنا چاہیے اور دیگر زبانوں کے افسانوں کا اردو افسانوں سے تقابل کرنا چاہیے۔

۱۲۔ ڈاکٹر کیو مرٹی نے شعبہ اردو تہران یونیورسٹی میں اپنی ذاتی کوششوں اور کاوشوں سے ایم اے اردو کے کورسز میں مقالہ جات لکھوانے کو رواج دیا ہے اور فارسی وارد و افسانے کے تجزیاتی و تقابلی مطالعہ کی طرح ڈالی ہے۔

۱۳۔ ڈاکٹر کیو مرٹی کی رائے میں جامعات میں سیاسی اعتبار سے اعلیٰ سطحی سیاست، دانشوروں کی جلاوطنی، طبقاتی و نسلی سیاست اور مختلف زبانوں کے تقابلی ادب کے وقت جنسی کشش اور جنسیات کو بھی معاشرتی اقدار کے ساتھ ملا کر ان کا مطالعہ کیا جائے۔^(۱)

یاد رہے ڈاکٹر کیو مرٹی کا تعلق ایران سے ہے۔ ایران ایک اسلامی مملکت ہے۔ اس بارے میں ہم زیادہ نہیں جانتے کہ وہاں کی ثقافت و مملکت کیا اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ جنسی کشش یا جنسیات کے موضوع پر جامعات میں تدریس افسانہ کا فرضہ سرانجام دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ لیکن یہ امر بہت توجہ طلب ہے کہ اکیسویں صدی میں ہم پاکستان جیسے بند معاشرے میں سانس لے رہے ہیں جہاں اب بھی منٹو شجر ممنوع اور عصمت کو قابل وقعت نہیں سمجھا جاتا۔ جہاں کرشن چندر اور بیدی دونوں ہی راندہ درگاہ ہیں کیوں کہ وہ غیر مسلم ہیں۔ میر ذاتی تجربہ ہے کہ ایک جامعہ کے شعبہ اردو کے استاد نے منٹو کرشن چندر اور بیدی پر تبرہ بھیجا۔ پاکستان میں گنتی کے ایک یا دو جامعات کے علاوہ ان موضوعات پر گفتگو کرنا حرام ہے۔

جس معاشرے میں آزادی افکار نہ ہو وہاں آزادی تخلیق و تدریس کا ہونا کیسے ممکن ہے۔ ہماری فکر پر چاروں طرف سے پہرے بٹھادیے گئے ہیں۔ معلم اگر کلاس میں کسی موضوع پر بات کرتے ہوئے کوئی جنسی حوالہ یا کوئی تعقل پرستی، ترقی پسندی یا علم دوستی کی بات کرے تو اسے جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ملازمت سے سبک دوش ہونا پڑتا ہے۔ جہاں تک نصاب میں ایسے موضوعات پر افسانہ کی تدریس کا تعلق ہے تو وہ بعید از قیاس ہے۔

ایم اے کی سطح پر نصاب سازی میں ہم تک چند ابتدائی افسانہ نگاروں کی تدریس سے آگے نہیں بڑھ سکے جب کہ تقاضا یہ ہے کہ حقیقت پسندی، رومانیت، علامت، تجریدیت اور مزاحمتی افسانے کو سلسلہ وار نصاب کا حصہ بنانا ضروری ہے تاکہ طلباء و طالبات میں عصر حاضر کے مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے فکری تسلسل موجود ہو اور نئی فکری تحریکوں اور فلسفوں سے آگاہی ہو۔

اردو میں مزاحمتی افسانے کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جن میں چند ایک کا انتخاب ڈاکٹر رشید امجد نے مزاحمتی افسانے کے نام سے اکادمی ادبیات پاکستان کے لیے کیا ہے۔ اس موضوع کے افسانوں کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں آمریتوں کے عہد میں عوام کن کن مسائل سے دوچار رہے ہیں اور اس کے اثرات زندگی کے کن کن شعبوں پر کیسے کیسے مرتب ہوئے ہیں۔ خوف، ڈر، سراسیمگی اور آزادی اظہار پر پابندی کے باعث پیدا شدہ نفسیاتی و ذہنی امراض کا جنم لینا تو خیر الگ بات، ان لکھنے والوں کو کیسی کیسی تکلیفوں سے گزرنا پڑا اس کا ادراک بھی بہت ضروری ہے۔ بے روزگاری، ملازمتوں سے سبکدوشی، جیلیں، کوڑے، جلا وطنی کی صعوبتیں بھی ان جرأت مند لکھنے والوں کو اپنے مصمم ارادے سے نہ روک سکیں۔ اس عہد کے کم و بیش تمام افسانہ نگاروں نے اس موضوع پر لکھا جن میں رشید امجد، منشا یاد، انور سجاد، اعجاز راہی، احمد داؤد، اسد محمد خاں، انتظار حسین، خالدہ حسین، اسلم سراج الدین، احمد جاوید، محمود احمد قاضی، شعیب خالق اور دیگر بہت سے نام شامل ہیں۔ لیکن یہ امر قابل افسوس ہے کہ کسی بھی جامعہ نے اس موضوع پر کسی بھی سطح کا کوئی بھی تحقیقی و تنقیدی کام نہیں کروایا سوائے ایک مقالہ بعنوان: ”اردو افسانے میں مزاحمتی کردار“ کے۔

ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر پاکستان میں جتنی بھی جامعات ہیں ان میں ستر کی دہائی تک پہنچ کر ناقدین افسانہ، محققین ادب اور اساتذہ کرام کی سانس پھول جاتی ہے اس کے بعد اسی اور نوے کی دہائیوں میں بے شمار افسانہ لکھا گیا ہے اور ان افسانوں کے تحقیقی و تنقیدی مطالعے کے ذریعے اور شامل نصاب کر کے ان فکری رجحانات تک پہنچا جاسکتا ہے جو اس بدلتی ہوئی تہذیب و ثقافتی دنیا جو کہ ملٹی پولر سے یونی پولر میں بدلی ہے اور سرمایہ داری، ملٹی نیشنل کمپنیوں کی صورت میں تیسری دنیا کی معیشت کو دیکھ کی طرح چاٹ رہی ہے جس کے نتیجے میں طبقاتی تفاوت بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ پاکستان جو کہ نیم جاگیر دارانہ اور نیم سرمایہ دارانہ ملک ہے اس میں مہنگائی، بے روزگاری، کرپشن، جرائم، افرابا پڑی اور کاسہ لیس کی انتہا ہو چکی ہے۔ عام آدمی کا المیہ یہ ہے کہ وہ سماج سے کٹ کر تنہائی، مایوسی، یبوست، عدم تحفظ اور بیگانگی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے لہذا نہ صرف یہ کہ اس عرصے کے افسانے کا مطالعہ ہونا ضروری ہے بلکہ اسے بی ایس، بی اے، اعلیٰ ثانوی اور ایم اے کی سطح کے نصاب میں شامل کیا جانا چاہیے۔ ان افسانہ نگاروں میں محمد حمید شاہد، طاہر باقبال، آصف فرخی، محمد عاصم بٹ، محمود احمد قاضی، عرفان احمد عرفی، افتخار نسیم، رفاقت حیات، فرحت پروین، نیلم احمد بشیر، امجد طفیل، عرفان جاوید، جمیل احمد عدیل، نیلو فر اقبال اور دیگر شامل ہیں۔

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ اُردو افسانے کی تحقیق و تدریس کے معاملہ میں ستر کی دہائی تک کے افسانے پر تنقیدی مواد کتب اور رسائل کی صورت میں دست یاب ہے۔ اس لیے نئے تحقیق کرنے والے اُن کتب کی مدد سے نیا مقالہ تحریر کرنے میں آسانی سمجھتے ہیں اور نئے لکھنے والوں پر محنت کرنے سے کتراتے ہیں۔ یہ فرض اساتذہ کرام اور جامعات کا ہے کہ ایسے موضوعات پر نہایت محنت اور دیانت داری سے تحقیقی و تنقیدی مقالہ جات تحریر کروائیں۔

ایک امر خصوصی طور پر توجہ طلب ہے کہ مغربی طریقہ تدریس میں کوئی بھی صنفِ سخن پڑھاتے ہوئے مشرقی طریقہ تدریس کی نسبت مختلف ذرائع اپنائے جاتے ہیں۔ اگر اُردو میں افسانے کی تدریس کے لیے پرائمری، ثانوی، اعلیٰ ثانوی، بی ایس اور ایم اے کے علاوہ یونیورسٹی کی سطح پر بھی انھی ذرائع کو استعمال کیا جائے تو اُمید کی جاسکتی ہے کہ خاطر خواہ نتائج برآمد ہوں گے۔ UIDWAGEL WORDPRESS میں

Strategies for teaching short stories کے حوالے سے تدریس افسانہ کا جو طریقہ کار متعارف کرایا ہے اس طریقہ کار میں استاد سے زیادہ طلباء و طالبات سے تخلیقی و تنقیدی کام لیا جاتا ہے۔ اس مضمون کے اہم نکات پیش ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان نکات کی روشنی میں اُردو افسانے کی تدریس کے حوالے سے کچھ مشورے بھی درج کیے جاتے ہیں:

Adaptations: A useful way to get students to think about genre specifics is to ask them to adapt a short story into a short play. Divide them into groups and assign them either a short section of the work or the entire thing itself (if you think they're up to it).^(۶)

تدریس افسانہ کے سلسلہ میں یہ ایک انتہائی اہم پہلو ہے کہ طلباء و طالبات کو پڑھائے جانے والے افسانے کی ڈرامائی تشکیل کے لیے گروپ کی شکل میں مشق دی جائے، اس طرح طلباء و طالبات میں افسانے کی جزئیات کو سمجھنے میں آسانی اور دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ اُردو کے کئی افسانوں کو ڈرامائی شکل دی گئی ہے جن میں ”نیا قانون“ ”ٹوبہ ٹیک سنگھ“ اور بہت سے افسانے شامل ہیں:

Alternative Ending: Have students write an alternate ending to the story and explain in the critical difference between their endings and the author's.^(۷)

کسی بھی افسانے کا اختتام بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے جیسا کہ افسانہ نگار نے اختتام کیا ہے طلباء و طالبات کو آکسایا جائے کہ وہ اس سے اتفاق نہ کرتے ہوئے اپنی مرضی کا اختتام لکھیں۔ مثال کے طور پر منٹو کے افسانے ”کھول دو“ کا اختتام اگر اس کا آخری جملہ نہ ہوتا تو افسانے میں دل چسپ اور غیر متوقع موڑ نہیں آتا تھا۔ اس کے اختتام کو مختلف کر کے دیکھا جاسکتا ہے۔ مختلف طلباء و طالبات جب اپنی مرضی سے افسانے کا اختتام مختلف کریں گے تو اس سے مختلف انداز کے نتائج برآمد ہوں گے۔

Back to the Future: Many short stories may seem "old" to the students, and they will often preface their interpretative comments with the phrase "back then"-- or, worse, "back in the olden days." While it is obviously important to address the historical issues and contexts (and clarify which "olden days" we're talking about), an interesting challenge for the students is to ask them to modernize the story to make it seem relevant to them today.^(۴)

مختلف افسانوں کا زمان و مکان مختلف ہوتا ہے، یہ بڑی دل چسپ سرگرمی ہوگی اگر طلباء و طالبات کو یہ سکھایا جائے اور مشق دی جائے کہ کسی افسانے کو ماضی سے حال یا حال سے ماضی میں لے جائیں اور دوبارہ حال میں لے آئیں۔ اس منتقلی سے نتائج یکسر بدل جائیں گے۔ کچھ افسانے تاریخی حقیقت نگاری پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگر تاریخ کو حال بنانے کی مشق کی جائے تو یہ کام تخلیقی عمل کے زمرے میں آئے گا۔

Class Consciousness: Have students find examples of a character's class as compared to the other characters. Then discuss how these details affect your reading of the story.^(۵)

طبقات شعور ایک اہم معاشرتی مسئلہ ہے۔ اس مسئلے پر ترقی پسند تصور کے زیر اثر اردو میں بے پناہ افسانے لکھے گئے۔ یہ مسئلہ حقیقت نگاری کی ذیل میں بھی آتا ہے۔ گو کہ ہر افسانے میں مختلف طبقات کو پیش کیا جاتا ہے۔ طبقات کی پہچان اور ان کے مسائل کی نشاندہی کروانا افسانے کی تدریس میں ایک اہم مرحلہ ہے جو طلباء و طالبات میں طبقاتی شعور کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ شعور اردو افسانے میں کثرت سے ملتا ہے۔

جنوبی ایشیاء خصوصاً پاکستانی معاشرہ بحرانی صورت حال کا شکار ہے جس میں طبقاتی کش مکش عروج پر ہے۔ ریاستی ادارے، حکمران طبقے، اور بالادست زیر دستوں کا کھلم کھلا معاشی، اخلاقی، سماجی اور سیاسی استحصال کر رہے ہیں۔ لیکن عوام الناس گم صم یہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ اس موضوع پر دانش ور طبقہ، تخلیق کار یا افسانہ نگار خاموش بیٹھے ہیں۔ لوگ لکھ رہے ہیں مگر اعلیٰ طبقات انھیں درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے۔ اس لیے طلباء و طالبات میں اپنے حقوق کے شعور کو بیدار کرنے کے لیے اس طرح کے افسانوں کی تدریس بہت ضروری ہے۔ دنیا بھر میں اس امر کی مثالیں مشہور ہیں کہ بڑی سے بڑی تحریکوں نے جامعات سے جنم لیا ہے اور ان کے روح رواں طلبہ ہی بنے تو یہ عمل پاکستانی جامعات سے کیوں شروع نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بی ایس، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی کے نصاب میں ایسے افسانہ نگاروں کو شامل کیا جانا چاہیے جو موجودہ صورت حال کی تبدیلی کے خواہاں ہیں اور پاکستانی عوام کی خوش حال زندگی کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

Highlighting Character: Short stories use different techniques to set up character than novels or drama (which have the advantage of development over a longer stretch of time). Short stories have to establish character quickly, often in just a few words or sentences. Ask students to choose a character from the story and describe him or her in detail. Then ask them to identify passages from the text that support/flesh out their descriptions. What are the author's physical descriptions of the character?^(۱)

افسانے میں کرداروں کی پیش کش خاص اہمیت کی حامل ہے۔ کچھ افسانے ایسے بھی ہیں جو صرف ایک کردار پر مبنی ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں مختلف النوع کردار پیش کیے جاتے ہیں۔ کرداروں کی پیش رفت سے بعض افسانے کہانی کی شکل اختیار کرتے ہیں جو کہ ناول اور ڈرامے کی تکنیک سے مختلف ہوتے ہیں۔ چوں کہ افسانہ مختصر دورانیہ کا ہوتا ہے اس لیے اس میں کردار اور مافی الضمیر جلد آشکار ہو جاتا ہے۔ مختلف افسانوں میں مختلف قوم، نسل، زبان، طبقے، عمر اور جنسی امتیازات کو پیش کیا جاتا ہے۔ عموماً افسانے کے مرکزی کردار پر قاری کی نگاہ مرکوز ہوتی ہے جب کہ ثانوی کرداروں کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ تدریس افسانہ کے سلسلہ میں اگر طلباء و طالبات سے یہ مشق کروائی جائے کہ وہ ثانوی کرداروں میں خود کو ڈھال لیں اور مرکزی کردار کے ساتھ اپنا رشتہ دریافت کریں تو یہ ایک مختلف نوعیت کا مطالعہ ہوگا۔ اس عمل سے کرداروں کی وضاحت قوم، نسل، زبان، طبقے، عمر اور جنس کے

امتیازات واضح ہوں گے اور طلباء طالبات میں دل چسپی کا امر بڑھ جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ کرداروں کی تخصیص پر بھی نوٹ لکھوایا جائے اور ان کی وضاحت کی جائے تو طلباء طالبات کا افسانے سے ایک اور طرح کا تعلق قائم ہوتا ہے۔

Highlighting Plot: Plot is also condensed in short stories and because of its small scope, it is often easier for students to see and understand how plot is working in a short story than in a longer work. One way to help them focus on plot specifically is to have them list characters' actions and reactions. Which actions / reactions are the most important? What about reactions that aren't fully explored in the text but may occur as a result of actions in the text? (This is also a useful way to demonstrate the unity of plot and character). Another way to focus on plot is to ask your students to write a timeline of the events in the story.^(۷)

افسانوی نثر میں پلاٹ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ افسانہ کے سادہ بیانیہ انداز میں روایتی طریقہ اپناتے ہوئے پلاٹ، کردار، منتظر نگاری، مکالمہ نگاری اور آغاز، عروج اور اختتام کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ جب افسانے نے ارتقائی منازل طے کیں تو علامت نگاری اور تجریدیت میں یہ عوامل منہما ہو گئے۔ لیکن پراسمری اور ثانوی و اعلیٰ ثانوی سطح پر ابھی بھی جو افسانے طلباء طالبات کے نصاب میں شامل ہیں ان میں زیادہ تر سادہ بیانیہ حقیقت نگاری ہے جن میں درج بالا خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ پلاٹ افسانے کا سب سے بنیادی عنصر ہے۔ طلباء طالبات کو افسانہ اور ناول و ڈرامہ کے پلاٹ کا فرق واضح کیا جائے جو کہ کرداروں کی تفصیل اور ان کے افعال و اعمال کی مدد سے ممکن ہے۔ پلاٹ میں عمل اور رد عمل کی وضاحت پر زور دیا جائے جس کے توسط سے افسانہ ارتقا پذیر ہوتا ہے اور نتائج تک پہنچتا ہے۔ طلباء طالبات کو یہ مشق بھی کرائی جائے کہ افسانے میں ظہور پذیر ہونے والے بنیادی و ثانوی واقعات کی تفصیل تحریر کریں۔ بعض اوقات ایک سطر مرکزی خیال پر افسانہ بنا جاتا ہے لیکن واقعات کا تسلسل اسے دل چسپ بنا دیتا ہے۔ اس ایک سطر کے مرکزی خیال کے پھیلاؤ کو واضح کرنا از حد ضروری ہوتا ہے۔ یہ امر بھی وضاحت طلب ہے کہ پلاٹ کے ارتقا میں کرداروں کا کیا عمل دخل ہے۔ افسانے میں واقعات کی کڑی کو کیسے جوڑا گیا ہے اور

اگر ایک واقعہ منہا کر دیا جائے تو یہ تسلسل کیسے متاثر ہو سکتا ہے؟ اسے بھی واضح کیا جانا چاہیے۔ افسانے کی مہارت سے ہنت کاری کو بھی زیر بحث لانا چاہیے۔

Perform the Story: For stories that rely almost entirely on the dialogue and actions of the characters to convey meaning, rather than exposition, you might have your students perform the literature. ^(۸)

جب کسی افسانے کو اداکاری کے ذریعے واضح کیا جاتا اور اس کے مکالمات اور حرکات و سکنات کو کرداروں کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے تو وہ اپنے اصل معانی و مفہیم کو اچھی طرح واضح کرتے ہیں بہ نسبت لکھے ہوئے مواد کے۔ طلباء طالبات میں ہمت پیدا کرنی چاہیے کہ ادب کے اس ٹکڑے کو اداکاری کے ذریعے پیش کریں اور استاد اس سلسلہ میں راہنمائی اور معاونت کرے، اس طرح کرداروں کا ارتقا، ان کی حیثیت، کہانی کے اُتار چڑھاؤ سمجھ میں آنا آسان ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں بہترین یہی ہوتا ہے کہ اس تمام عمل میں طلباء طالبات خود شریک ہوں تاکہ وہ افسانے کے اصل فہم اور معانی تک رسائی حاصل کریں۔

درج بالا نکات کے علاوہ افسانے کے متن کی قرأت کے بعد طلباء طالبات میں اس امر کو اجاگر کیا جائے کہ وہ جو افسانہ پڑھ رہے ہیں اس کو سمجھنا پہلی ذمہ داری ان کی اپنی ہے۔ اور مصنف کی پیش کش سے مختلف کرداروں کو پسند یا ناپسند کرنا ان کی اپنی صوابدید ہے۔ طلباء طالبات اس امر پر توجہ کریں کہ متن میں جو تفصیلات مہیا کی گئی ہیں وہ کیا ہیں، ان کی ایک فہرست بننا بھی سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔ افسانے میں پیش شدہ منظر نامے کو چشم تصور سے دیکھنا یا استاد کا طلباء طالبات کو دکھانا اور اس کی جانب توجہ دلانا الگ سے ایک اہم عمل ہے۔ اس کے علاوہ طلباء طالبات کو یہ مشق بھی دی جاسکتی ہے کہ افسانے کے پسندیدہ پیرا گراف پر تنقیدی تحریر لکھیں اور اس کے بنیادی نکات کو واضح کریں۔ ہو سکتا ہے افسانے میں کچھ جملے طویل ہوں یا مکالمات کی بھرمار ہو۔ استاد اس امر کی مشق کروا سکتا ہے کہ طلباء طالبات طویل جملوں کو مختصر کریں، جملوں کو مکالمات اور مکالمات کو جملوں کی شکل دیں، اس سے زبان دانی کے علم میں اضافہ ہوگا۔ کسی بھی افسانے کی تدریس میں یہ عمل اہمیت کا حامل ہے کہ جو زبان متن میں استعمال کی گئی ہے اس کی وضاحت کرنا اور طلباء طالبات کو اس زبان کے تبدیل کرنے یا اس زبان کے بیانیے کے زمان و مکان کو بدل دینے کی مشق کروانے سے تخلیقی صلاحیتیں بیدار ہو سکتی ہیں۔

طلبا و طالبات کے لیے کرداروں کے درمیان ربط کو سمجھنا اور واضح کرنا اہمیت کا حامل ہے جس پر طلبا و طالبات کو زور دینا چاہیے۔ بار بار افسانے کو دہرانے اور گروپ کی شکل میں پڑھنے سے اور متن میں موجود اہم اقوال کو واضح کرنے سے مختلف طلبا و طالبات کی ذہنی صلاحیتوں اور پسند ناپسند کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ان کی مہارت کو سمجھنے کے انداز واضح ہوتے ہیں جس سے استاد کو یہ علم ہوتا ہے کہ کس کس کو سمت نمائی یا راہنمائی کی کیسے ضرورت ہے۔ بعض اوقات افسانے کا بیانیہ عمومی ہوتا ہے لیکن بعض اوقات اس میں حیرت انگیز عناصر بھی شامل ہوتے ہیں۔ متن میں ایسے عوامل کی نشان دہی طلبا و طالبات سے کروانا دلچسپ رہتا ہے کہ ان کے لیے کیا عمومی ہے اور کیا خصوصی اور کیا حیرت انگیز۔ آخر میں تمام جزئیات پر استاد کی وضاحت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔

درج بالا نکات مغربی طرز تدریس کی وضاحت کرتے ہیں جب کہ ایم فل اُردو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد کے تدریس ادب کے کورس میں جو ہدایات اور مشورے دیے گئے ہیں وہ کچھ اس طرح سے ہیں کہ پہلے سبق کی منصوبہ بندی کی جائے، پھر خاکہ تیار کیا جائے، پھر اس امر کا خیال رکھا جائے کہ مقاصد تدریس کیا ہیں۔ مقاصد تدریس درج ذیل ہیں:

الف: طالب علم عبارت کو صحیح تلفظ اور درست لہجے میں پڑھ سکے۔

ب: عبارت کو اچھی طرح سمجھ سکے۔

ج: نثر پارے کے ادبی و فنی محاسن کا ادراک کر سکے اور ان سے لطف اندوز ہو سکے۔

د: نثر پارے کے اسلوب سے استفادہ کر کے اپنی تحریروں کو بہتر بناسکے۔^(۹)

جہاں تک عبارت خوانی کا تعلق ہے یہ مرحلہ ثانوی درجے تک مکمل ہو جاتا ہے۔ ثانوی درجے میں زیادہ زور عام طور پر زبان کی تدریس پر رہتا ہے۔۔۔ اس مرحلے میں نثر پارے کی صنف، اس کے فنی تقاضے، مصنف اور اس کی تصانیف، اسلوب اور فلسفہ حیات کی وضاحت بھی مقاصد تدریس کا حصہ بن جاتی ہیں۔^(۱۰)

کالج کی سطح پر غائر مطالعے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے جاسکتے ہیں:

الف: مشکل الفاظ کے معانی

ب: مصنف و صنف کا تعارف

ج: سبق کا تعارف

د: عبارت خوانی

ه: تفہیم عبارت

(i) مشکل الفاظ کے معانی

(ii) تراکیب، محاورات، تلمیحات وغیرہ کی تشریح

(iii) معنی اور معنویت

(iv) سطور، بین السطور، ماورائے سطور

(v) عبارت کا مفہوم اور سیاق و سباق میں اس کا مقام^(۱۱)

یہ وہ اہم نکات ہیں جن پر تدریس ادب (نثر) پر زور دیا گیا ہے۔ دونوں طریقوں کا تقابل کیا جائے تو فرق واضح ہو جائے گا کہ ہمارے مقاصد کس قدر محدود ہیں اور ہم طلباء و طالبات میں کیا اوصاف پیدا کرنا چاہ رہے ہیں۔ جب کہ مغربی طریقہ تدریس سے کیسے تخلیقیت پیدا کی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں یوں بھی خصوصی طور پر تدریس افسانہ کے موضوع پر بہت کم مواد میسر ہے جب کہ انگریزی میں اس امر پر بہت کام کیا گیا ہے۔ ہم ابھی تک ایم فل کی تدریس افسانہ کی سطح پر مشکل الفاظ کے معانی، عبارت خوانی، سیاق و سباق، فنی محاسن تک محدود ہیں اس لیے ان نکات کی مزید وضاحت اور اس پر مزید رائے نہیں دی جاسکتی۔

اُردو افسانہ جو تقریباً ایک صدی کی تاریخ رکھتا ہے۔ وہ خواہ بیانہ ہو یا علامتی یا تجریدی عموماً اس کی تدریس ایک خاص تکنیک سے کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ افسانہ ایک مختصر کہانی ہے۔ افسانہ ایک ہی نشست میں ختم ہونے والی تحریر ہے۔ افسانہ زندگی کے کسی ایک پہلو پر لکھا گیا واقعہ ہے۔ پلاٹ پر گفتگو، مرکزی خیال سے طلبہ کو آگاہ کر کے افسانے کی معنویت اجاگر کر دی جاتی ہے یا افسانے کا کسی دوسرے افسانے سے تقابلی مطالعہ جو پلاٹ کی شکل میں ہو یا موضوع کے اعتبار سے یا کرداروں کی شکل میں ہو، سے روشناس کرا دیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر احمد جاوید لکھتے ہیں:

عام طور پر افسانہ تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ آغاز ۲۔ وسط ۳۔ اختتام

افسانوی نثر کی تدریس کے وقت افسانے میں ان تینوں حصوں کی اہمیت واضح کرنا ضروری ہے۔ یوں تو کوئی افسانہ کسی واقعے سے آغاز ہو سکتا ہے، دیکھنا صرف یہ ہوتا ہے کہ افسانہ نگار کے ابتدائی جملے وہ کیفیت پیدا کرتے ہیں جس سے قاری آئندہ کے واقعات پڑھنے پر آمادہ ہو۔ اسی طرح وسطی حصے میں ایسے روائی کی ضرورت ہوتی ہے جو اختتام کو جانے کا تجسس پیدا کرے جب کہ افسانے میں اختتام سب سے اہم حصہ ہے۔ اختتامی جملوں میں کہانی کا منطقی انجام پوشیدہ ہوتا ہے۔ افسانہ نگار اکثر اوقات اس حصے میں ڈرامائی انداز اختیار کرتا ہے یا بعض اوقات تخیل کی کیفیت چھوڑنا ہی کافی سمجھتا ہے۔ یہاں اس موقع پر طلباء کے سامنے بعض افسانوں سے ان حصوں کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔^(۱۲)

اس سلسلہ میں چند معروضات پیش خدمت ہیں جو کہ موضوعات اور ہیئت کی سطح پر درج ذیل ہیں، اس کے ساتھ ساتھ گزشتہ صفحات پر جو نکات Strategies for Teaching Short Stories پیش کیے گئے ہیں وہ انتہائی اہمیت کے حامل ہیں:

۱۔ افسانے کی تدریس میں سب سے پہلا مرحلہ افسانے کے عہد کا تعارف اور سیاسی اور سماجی حالات سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً پریم چند کا لکھا ہوا اردو کا پہلا ممنوع قرار دیا جانے والا افسانہ ”دنیا کا انمول رتن“ ہے اگر ہم طلبہ و طالبات کو اس امر سے آگاہ نہیں کریں گے کہ انگریز برصغیر پر پوری طرح قابض تھا اور عوام الناس میں حب الوطنی کی ایک زیریں لہر پیدا ہو رہی تھی اسی مقصد کے تحت پریم چند نے یہ افسانہ تحریر کیا اور اس کے ممنوع قرار دیے جانے کا سبب بھی یہی تھا تو افسانے کی اہمیت واضح ہو جائے گی۔ اسی طرح سعادت حسن منٹو کا افسانہ ”تماشا“ اپنے سیاق و سباق اور پس منظر سے روشناس کرائے بغیر اور سیاسی و سماجی جبر کو واضح کیے بغیر پڑھایا جائے گا تو وہ اپنی معنویت اجاگر نہیں کر سکے گا۔ جس کے پس منظر میں جلیانوالہ باغ کا واقعہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ منٹو کا افسانہ ”نیا قانون“ بھی اسی سیاسی جبر کی نشانی ہے اسی لیے افسانے کے مطالعے کے لیے بھی ہمیں طلباء و طالبات میں سیاسی شعور پیدا کرنے کی از حد ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار افسانے ایسے ہیں جن پر اسی طرح کی تکنیک لاگو کی جاسکتی ہے۔

۲۔ افسانہ خواہ سادہ بیانیہ ہو یا علامتی، تجریدی ہو یا مزاحمتی اپنے اندر دوہری معنویت رکھتا ہے۔ معلم کا فرض ہے کہ وہ اس معنویت سے طلبہ و طالبات کو آگاہ کرے تاکہ افسانے کا کینوس وسیع ہو جائے۔ اردو افسانے میں حقیقت نگاری کے تحت افسانے لکھے گئے۔ حقیقت نگاری کے بارے میں پروفیسر احمد جاوید لکھتے ہیں:

حقیقت کے لغوی معانی اصلیت یا سچائی کے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں وہ تحریریں حقیقت نگاری کی ذیل میں آتی ہیں جن میں جذباتی رنگ آمیزی نہ کی گئی ہو اور نہ ہی خیال آرائی سے کام لیا گیا ہو۔ تصوراتی، ماورائی یا مثالی باتوں کی بجائے معروضی حقائق اور ٹھوس واقعات کو پیش نظر رکھنا اور غیر شخصی نقطہ نظر سے کہانی کو پیش کرنا حقیقت نگاری کہلاتا ہے۔^(۱۳)

مثال کے طور پر درج ذیل افسانے حقیقت نگاری کی ذیل میں آتے ہیں:

غلام عباس کا افسانہ ”حمام میں“ اگر پڑھا جا رہا ہے تو اس افسانے میں بھابھی فرخندہ کا کردار اور ان کے گھر آنے جانے والوں کا تعارف اور پھر ایک نواب کا آنا اور پھر ان نواب صاحب کا ان پر فریفتہ ہو جانا جس پر آنے جانے والوں کا سخت رد عمل کا اظہار کرنا اور پھر آہستہ آہستہ انھیں تسلیم کر لینا ہمارے معاشرتی رویے کی عکاسی ہے۔ ہم ابتدا میں ناپسندیدہ عمل پر رد عمل ظاہر کرتے ہیں پھر کسی مجبوری کے عالم میں یا کسی اور بنا پر اسے آہستہ آہستہ قبول کر لیتے ہیں اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ ہماری یادداشت سے محو ہو چکا ہوتا ہے اور ہم اس کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں۔ اسی طرح منٹو کے افسانے ”مکالی شلوار“، ”سوگندھی“، ”بیدی کا“ ”ایک باپ بکاؤ ہے“، ”سوواٹ کا بلب“ وغیرہ سب سادہ بیانیہ کی مثالیں ہیں لیکن اپنے اندر دوہری معنویت رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر غلام عباس کا ”بہر وپیا“ اور ”آہندی“۔۔۔۔۔ سو اس طرح کے طریقہ تدریس سے طلبہ و طالبات میں افسانے کی گہرائی اور گیرائی تک پہنچنے کی عادت رواج پا سکتی ہے۔

۳۔ افسانے کی تدریس کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ ہر افسانہ نگار کو کچھ خاص علامتیں مرغوب ہوتی ہیں اور بعض اوقات وہ ان علامتوں کو بار بار دہراتا ہے اور بعض اوقات نئی سے نئی علامتیں بناتا ہے۔ ایک ماہر معلم افسانہ کا یہ فرض ہے کہ وہ ان علامتوں تک رسائی حاصل کرے اور انھیں کھولے تاکہ طلبہ کو مستور مفہوم تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ اس کی مثال انتظار حسین کے افسانے ”زرد کتا“، منشا یاد کے افسانے ”تماشا“ اور رشید امجد کے افسانے ”لیپ پوسٹ“ سے بخوبی لی جاسکتی ہیں۔

اُردو افسانے کی تدریس میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افسانہ نگار کو علامتی انداز اختیار کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے۔ ادب کا یہ فرض ہے کہ وہ صحافتی انداز میں کسی واقعہ کو براہ راست بیان نہیں کرتا بلکہ کچھ چھپا کر، کچھ دکھا کر، کبھی اشاروں اور کبھی کنایوں میں قاری تک بات پہنچاتا ہے اور بعض اوقات سیاسی اور سماجی جبر

کے تحت افسانہ نگار کو علامت نگاری سے کام لینا پڑتا ہے۔ یہ معلم کا فرض ہے کہ وہ تدریس کے دوران ان مخفی معانی تک طلبہ و طالبات کی رہنمائی کرے اور علامت نگاری کا سبب بھی بیان کرے۔

۴۔ تجریدی افسانے کی تدریس میں معلم کو بے حد احتیاط سے کام لینا چاہیے کیوں کہ ایسے افسانے جلد ہی اپنا آپ قاری پر واد نہیں کرتے اس کے لیے دقتِ نظری کی ضرورت ہوتی ہے۔ مغرب میں تجرید کی تحریک سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اتنا کافی ہے کہ تجرید دراصل پینٹنگ کی اصطلاح ہے اور اس میں بے محابا رنگوں کے استعمال سے ایک ایسی تصویر بناتا ہے جس کے معنی اخذ کرنا مشکل ہوتے ہیں۔ عموماً آرٹسٹ اس پر عنوان بھی تحریر کر دیتا ہے جو دراصل افسانے کے بند دروازے کو کھولنے کے لیے ایک چابی کا فریضہ سر انجام دیتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ طلسم کدہ حیرت کھلتا نہیں۔ ایسے افسانوں کے ساتھ کچھ وقت گزارنا پڑتا ہے اور اس کی تشبیہات و استعارات اسلوب اور لفظوں کے انتخاب، افسانے کے عہد اور افسانہ نگاری کی ذہنی کیفیات سے آشنائی حاصل کرنا پڑتی ہے اور یہ فریضہ معلم کا ہے کہ وہ اس تمام عمل سے گزر کر طلبہ و طالبات کو افسانے کی تہہ میں چھپے موتی لا کر دے۔ اس ضمن میں انور سجاد، رشید امجد، مظہر السلام اور دیگر کے افسانے خاصی شہرت رکھتے ہیں۔

۵۔ ازمنہ قدیم سے انسان شعوری طور پر ترقی کرتا آ رہا ہے اور اپنے رہن سہن کے طریقے تبدیل کرتا رہا ہے۔ قوانین و ضوابط میں تبدل و تغیر آتے رہے ہیں۔ کبھی شہنشاہیت سب سے اعلیٰ طریقہ حکومت تھا تو بعد میں ارتقائی منازل طے کر کے انسان جمہوری طرز حکومت پر پہنچا۔ انھی اطوار حکمرانی میں ایک طریقہ آمریت ہے۔ پاکستانی معاشرے میں خصوصاً فوجی آمریتوں کا دور بہت طویل رہا ہے۔ اس عرصے میں علامتی و تجریدی افسانے لکھے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا سبب آزادی اظہار پر پابندی تھا۔ اس لیے کھل کر بات کرنے کے بجائے حکومت وقت پر تنقید کے لیے یہ راستہ اختیار کیا گیا اور یہی حقیقت نگاری کی بہترین مثال ہے۔ اس ضمن میں اس عہد کے افسانے کے تدریس کے لیے معلم کو شہنشاہت، جمہوریت اور آمریت کے فرق سے طلبا و طالبات کو آگاہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور جمہوریت میں آنے والے نشیب و فراز اور آمریتوں کے دور میں ہونے والے ظلم و زیادتیوں کا ذکر لازمی ٹھہرتا ہے۔ ان موضوعات کے حامل افسانوں کی تدریس کے لیے علامت کو سمجھنا، تجریدیت تک رسائی حاصل کرنا اور حاکم وقت و ناپسند اور انتقامی رویوں کو طشت از بام کرنا پڑے گا۔ ایک ماہر معلم تدریس افسانہ میں یہ کام بخوبی سر انجام دے سکتا ہے۔

۶۔ یورپ میں علوم کی ترقی کے ساتھ ساتھ دو بڑی جنگوں نے عوام میں شکست و ریخت پیدا کر دی۔ اس کا اظہار ادب، پینٹنگ، موسیقی اور دیگر فنونِ لطیفہ کے ذریعے کیا گیا۔ اسی عہد میں وجودیت، کیوب ازم، ڈاڈ ازم، سرئیلم ازم اور پوپ ازم جیسی تحریکوں نے جنم لیا جس کے اثرات اردو افسانے پر بھی مرتب ہوئے۔ اس کی اولین مثال ”انگارے“ میں شامل افسانے ہیں جن میں سرئیلم، شعور کی رو اور فلیش بیک کی تکنیک استعمال کی گئی۔ بعد میں بہت سے افسانہ نگاروں نے بھی متذکرہ بالا حوالوں سے افسانے لکھے۔ ایسے افسانوں کی تدریس کے لیے معلم کا ان تحریکوں سے واقف ہونا اور پھر انھیں عصر حاضر سے جوڑ کر پاکستانی تہذیب و معاشرت میں اس کے اثرات تلاش کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ معلم تدریس کے دوران یہ واضح کرے کہ عالمی جنگوں کے اثرات گو اس خطہ پر منطبق نہیں ہوئے لیکن بلا واسطہ پوری دنیا ان سے متاثر ہوئی اور وہ کون سے حالات ہیں جن کے تحت افسانہ ارضی حیثیت اختیار کر گیا۔

۷۔ تدریس افسانہ کی ایک اور کڑی کولاج کاری ہے یہ بھی پینٹنگ کی اصطلاح ہے۔ مگر نظم و افسانہ میں بھی رواج پذیر ہو چکی ہے۔ اس طریقہ تحریر میں مختلف ٹکڑوں کو ملا کر ایک صورتِ حال کو واضح کیا جاتا ہے اور اس طرح کے افسانے کی تدریس کا بوجھ بھی معلم کو ہی اٹھانا پڑتا ہے کہ وہ مختلف ٹکڑوں کو جوڑ کر ان میں سے کہانی برآمد کرے اور طلبہ کو آگاہ کرے۔

۸۔ تدریس افسانہ کے سلسلہ میں اردو ادب کے حیات افسانہ نگاروں کو جامعات میں دعوت دی جائے اور طلباء طالبات سے انکا براہِ راست مکالمہ کرایا جائے۔ ان کے تخلیقی عمل، تجربات و مشاہدات اور موضوعات و تکنیک پر گفتگو کی جائے، تاکہ ان کا مافی الضمیر طلباء و طالبات تک براہِ راست پہنچ سکے اور نئے افسانے سے آشنائی ہو۔

درج بالا معروضات کا مقصد تدریس افسانہ مختلف جہات کے جملہ پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے طریقہ تدریس پر روشنی ڈالنا ہے۔ اگر ان میں سے چند پر غور کر لیا جائے تو شاید تدریس افسانہ میں کچھ آسانیاں پیدا ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ کیوں کہ نیا منظر نئی جہات کے دروا کرتا ہے اور اس کے لیے نئے آلات کی بہر حال ضرورت پیش آتی ہے۔ اس طرح سے طلباء و طالبات کی ذہنی و فکری، تخلیقی و تنقیدی و تجزیاتی حسیات بیدار ہوں گی اور وہ بیدار مغز ادب کے طالب علم کے طور پر اکیسویں صدی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔

حوالہ جات

- ۱۔ مرثی، محمد کیو، تدریس افسانہ۔ نیا تناظر، مشمولہ الماس، (خیر پور، سندھ: شعبہ اُردو، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، شمارہ نمبر ۱۳)، صفحہ نمبر ۷۷-۸۶
- ۲۔ [http://: UIDWAGEL.WORDPRESS.COM](http://UIDWAGEL.WORDPRESS.COM). P.۱
- ۳۔ ایضاً، ص ۲
- ۴۔ ایضاً، ص ۲
- ۵۔ ایضاً، ص ۲
- ۶۔ ایضاً، ص ۲
- ۷۔ ایضاً، ص ۴
- ۸۔ ایضاً، ص ۴
- ۹۔ شبلی، محمد صدیق خان، تدریس نثر و نظم، مشمولہ تدریس ادب، (اسلام آباد: شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، جلد اول، ۱۹۹۳ء، ص ۹۹۔
- ۱۰۔ ایضاً، ص: ۹۹
- ۱۱۔ ایضاً، ص: ۱۰۱
- ۱۲۔ جاوید، احمد، افسانوی نشر کی تدریس، مشمولہ تدریس ادب، (اسلام آباد: شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۲۶-۱۲۵
- ۱۳۔ ایضاً، ص: ۱۲۶

ۛۛۛ

1. Javed, Ahmad, *Tadresay adad* , Islamabad: Shuba-i-Urdu, Allama Iqbal Open University, 2011
2. Shibbli, Muhammad Siddique Khan, *Tadresey adab*, Islamabad: Shuba-i-Urdu, Allama Iqbal Open Univiersity, 1993
3. Marsi, Mohammad Que, *Tadresy Afsana.... Nea Tanazar*, Mashmola Almas, Khairpur, Sindh: Shuba-i-Urdu, Shah Abdul Latif University, Shumara No. 14
4. [http://: UIDWAGEL.WORDPRESS.COM](http://UIDWAGEL.WORDPRESS.COM).